ایک کشتی کے سوار

سید قطب شہیدؒ / یوسف القاسمی

"اللہ رب العزت کے احکام کی اتباع کرنے والے اور خلاف ورزی کرنے والے، دونوں کی مثال ایک کشتی کے ان سواروں کی سی ہے جن میں کچھ لوگ نچلے حصہ اور کچھ لوگ بالائی حصہ میں سوار ہوں، اور نیچے کے لوگ اپنی ضرورت کا پانی بالائی حصہ سے جا کر لاتے ہوں۔ اس لیے انھوں نے یہ طے کیا کہ ہم خواہ مخواہ اوپر جا کر لوگوں کو تکلیف دیتے ہیں، کیوں نہ نیچے کے حصہ میں ایک سوراخ کر لیں۔ اب اگر اوپر کے لوگوں نے ان کے اس عمل میں مداخلت نہ کی اور ان کو سوراخ کر لینے دیا، تو نیچے اوپر کے سب ہی لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر انھوں نے ان کو سوراخ نہ کرنے دیا اور انھیں اس غیر دانشمندانہ اقدام سے باز رکھا، تو سب کے سب محفوظ و مامون رہیں گے۔"

اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے سے ایک حیرت انگیز تمثیل اور زندہ حقیقت آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ کشتی کی تشبیہ کتنی انوکھی اور حقیقتِ واقعہ سے کتنی مشابہ ہے۔ حیات انسانی اور معاشرہ انسانی کی اس سے بہتر تمثیل ناممکن ہے۔ انسانی زندگی کی مثال بالکل اس کشتی کی طرح ہے، جو موجوں میں گھری سمندر کے سینہ پر رواں دواں ہے۔ سمندر کی زبردست موجیں اس کے وجود کو ہر لمحہ ایک نئے خطرے سے دوچار کرتی ہیں، اور یہ ایک منٹ بھی پُرسکون نہیں ہو پاتی۔ اس کی سلامتی اور حفاظت مشکل ہے۔ کشتی کا ہر سوار موت کے ڈر سے اپنی نیند کھو بیٹھتا ہے۔ ہر شخص پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے اور ہمہ وقت چوکنا اور ہوشیار رہا جاتا ہے کہ کسی فردِ واحد کی غلطی سب کو نہ لے ڈوبے۔

ہماری اس دنیا میں انسانی معاشرے کی مثال اس کشتی کے عین مطابق ہے جس پر نیک و بد، عالم و

جاہل، غافل و ہوشیار سب طرح کے لوگ سوار ہیں، اور یہ ان کو لے کر رواں دواں ہے۔ لیکن معاشرے کی یہ کشتی چار جانب سے اٹھنے والی مسموم اور تیز و تند ہواؤں کی زد میں ہے۔ ماحول کی ہر حرکت اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کبھی اعمالِ صالحہ کا نور اس کی عظمت کا نشان بنتا ہے اور کبھی مفسدات کا ریلا انسانی معاشرہ کو پستی و انحطاط کے گڑھوں میں پھینک دیتا ہے۔

اکثر لوگ سفینۂ حیات کی اس زندہ حقیقت کو بھلا چکے ہیں، وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کا سفینۂ زندگی سمندر میں نہیں بلکہ خشکی پر مضبوطی سے پیر جمائے کھڑا ہے، جس کو سمندری طوفان اور موجوں سے ہلاکت کا کوئی اندیشہ بھی نہیں۔ غیر شعوری طور سے یہی ان کو بغاوت اور سرکشی پر ابھارتا ہے۔

سرکش اور باغی اگر یہ سوچتا کہ یہ انسانی سماج کوئی جامد اور مضبوط پہاڑ نہیں، بلکہ ایک کشتی کے مانند ہے، جس کو ایک مقام پر ٹھہرنا نصیب نہیں، اور نہ اس کی طاقت و اقتدار کو دوام مل سکتا ہے۔ یہ تو چند روزہ سفر ہے، اور اس کو یقینی طور سے ایک روز ختم ہو جانا ہے۔ اگر وہ اس زندہ حقیقت اور روزانہ مشاہدے میں آنے والی اس سچائی کو تسلیم کر لیتا، اور اس کے پس منظر پر غور کرتا، تو تکبر و خود سری اور شر و فساد کی کبھی جرات نہ کرتا۔ کیوں کہ اگر وہ اپنی وقتی اور محدود طاقت کے مدمقابل ایک لافانی اور لامحدود طاقت کو دیکھتا، تو یقیناً اس سے خوف کھاتا اور اس کی طرف رجوع کرتا۔ اگر یہ باغی شخص سمجھ لیتا کہ وہ ایسی کشتی کا سوار ہے جو ہمہ دم موجوں کے رحم و کرم پر ہے، جن کا ہر تھپیڑا کشتی کو موت و زیست سے دوچار کر سکتا ہے، تو یہ خود کو کبھی خواہشات کے گرداب میں نہ پھنساتا، بلکہ احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا تاکہ کسی طرح وہ اپنی زندگی کو ہلاکت و بربادی سے بچالے۔ اس طرح دوسرے مسافر بھی طمانیت کے ساتھ ساحل نجات سے ہمکنار ہوتے۔

غفلت و لاپروائی سے قلب زنگ آلود ہو جاتے ہیں، اور پھر معصیات کی سیاہی اعمالِ صالحہ کی رمق کو آہستہ آہستہ ختم کر دیتی ہے۔ نبی اکرمؐ نے لوگوں کو اس مہلک بیماری سے بہت ڈرایا ہے، لیکن اس حدیث مبارک میں حیات انسانی کے لیے کشتی کی مثال ایک حیرت انگیز اور دل کو جھنجھوڑنے والی تعبیر ہے۔

رسول اکرمؐ نے زندگی کی اس اچھوتی اور بے مثال تشریح کے ذریعے اسلام کے نظریہ مساوات کو پیش کیا ہے، کہ تمام انسان بلا فرقِ مراتب ایک کشتی کے سوار ہیں، اگر کسی کو کسی پر ترجیح ہے تو صرف اعمالِ صالحہ کی بدولت۔ کلکم من اٰدم وّاٰدم من تراب۔

اس کے مدمقابل موجودہ دور کے ان نظریات کو دیکھیے جہاں خود کو افضل و اعلیٰ تسلیم کیا گیا ہے۔ قوم پرست، طبقہ کا خیال ہے کہ وہ زمین کے سب سے اعلیٰ و ارفع انسان ہیں، اور سرمایہ داروں کا خیال

ہے کہ وہ کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالک ہیں اور دوسرے ان کے غلام ہیں۔ اسی طرح دنیا کے ہر طبقۂ فکر کے لوگ خود کو دوسروں سے بہتر گردانتے نظر آتے ہیں۔ ان مختلف فرقوں اور نظریات کے حامل لوگوں ہی نے اس شکستہ کشتی حیات میں سفر کیا، نتیجتاً سب لوگ برباد اور ہلاک ہو گئے، چاہے وہ اوپر کی منزل کے صالح لوگ ہوں یا نچلی منزل کے بدکردار۔

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے ان مقامات کی تاریخ کو دیکھنا چاہیے جہاں بربریت کا دور دورہ رہا، اور جنگ وجدال کے بھیانک عفریت نے ظالموں کے ساتھ ہزاروں بے گناہوں کو بھی نگل لیا۔ یقیناً یہ نتیجہ ہے کہ نیچے کے لوگوں نے اپنی مرضی کے مطابق اس سفینہ میں سوراخ کر لیا، اور اوپر کے لوگوں نے ان کو اس ناعاقبت اندیشانہ عمل سے روکنے اور باز رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ لہٰذا پانی کے اس سوراخ نے آہستہ آہستہ پوری کشتی کو غرقاب کر دیا، اور یوں سارا معاشرہ تباہ ہو گیا۔

ایک خبطی نوجوان نفس پرستی اور شہوت برآری میں دن رات مگن ہے، اور کہتا ہے کہ میرے نجی معاملہ میں کسی کو مداخلت کا کوئی حق نہیں، مجھے جو پسند ہے اور میرا دل جو چاہتا ہے کرتا ہوں۔ اگر لوگوں نے اس کو اس کی مرضی کے مطابق چھوٹ دے دی، تو یقینی طور سے پورے معاشرے کا امن و سکون برباد ہو جائے گا۔ اب یہ لڑکا سوچنے لگے کہ میرا وجود تو محض سمندر کے ایک قطرے کی طرح ہے، ایک قطرہ چاہے وہ زہر ہی کا ہو، سمندر پر اس کا کیا اثر ہو گا، یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ فضائے بسیط میں ایک بوسہ یا خلوت میں چند منٹ کی لطف اندوزی، کیا یہ سارے معاشرے کو بگاڑ سکتا ہے؟ یہ لڑکا جاہل اور نادان ہے، اور جو لوگ اس کو بداعمالیوں سے نہیں روکتے، وہ اس سے بھی زیادہ جاہل اور نادان ہیں۔

اس نوجوان کا اپنے آپ کو، معاشرے سے بے تعلق فردِ واحد یا محض سمندر کا ایک قطرہ سمجھنا، بہت بڑی غلطی ہے۔ کیوں کہ اگر ہر شخص اسی طرح سمجھنے لگا، تو پورا معاشرہ گدلا ہو جائے گا۔

اب ایک دوسرے نوجوان کو لیجیے۔ فرض کیجیے، وہ یہ کہے کہ واقعی معاشرے کی حالت بہت ابتر ہے، ہر طرف بدکاری کا تعفن ہے۔ لیکن اب تنہا بھلا میں کیا کر سکتا ہوں، پورے معاشرے کی اصلاح میرے بس کی بات کہاں، پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے۔ اب تنہا میں دنیا سے کنارہ کشی اختیار کروں اور ساری دنیا لطف اندوز ہوتی رہے، تو بھی اس سے کیا فائدہ؟

اس نوجوان کی بات حقیقت سے قریب ہے۔ کیوں کہ جب پورا معاشرہ مفسدات کی گرفت میں آ جائے، اور بدکاری کی ہوائیں عام ہوں، تو تنہا کسی فرد کا برائیوں سے بچنا معاشرے کی اصلاح نہیں کرتا، بلکہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے، اور کشتی ڈوب جاتی ہے۔

اسی طرح کوئی وہ نوجوان لڑکی ہے جو نیم عریاں حالت میں گزرے تو اس کے یہ انداز نوجوانوں

میں جنسی آگ لگا دیں گے۔ وہ کہتی ہے کہ میں خود مختار ہوں، کسی کو میرے معاملے میں مداخلت کی ضرورت نہیں، میرا کیا میرے ساتھ ہے۔ کیا میں جذبات کا گلا گھونٹ دوں؟ یا راہبہ بن جاؤں؟ میرا دل چاہتا ہے کہ زندگی کا صحیح لطف اٹھاؤں جو میرا پیدائشی حق ہے۔ اگر میں گھر میں بیٹھی رہوں، تو زندگی کو رنگین کس طرح بنایا جائے گا۔ میں کسی حالت میں بھی اپنے اس طرزِ زندگی سے نہیں ہٹ سکتی۔"

اس لڑکی کے بیان میں قدرے سچائی بھی ہے، لیکن یہ سچائی اس وقت نہ تھی جب اس نے فتنہ پرور انداز سے نکلنے کی کوشش کی تھی۔ گویا کہ اس روز اس نے کشتی میں یہ سوچ کر سوراخ کر دیا تھا کہ "اس سے معاشرے یا کشتی کا کیا نقصان ہے۔" یہاں تک کہ اب معاشرہ مکمل طور سے اس بدکاری کی لپیٹ میں آگیا، اور بربادی کے دہانے پر کھڑا ہو گیا۔

اسی طرح ایک صحافی یا ادیب ہے جو فحش اور عریاں ادب پھیلا رہا ہو، اپنے قلم سے ایک صاف ستھرے معاشرے کے خدوخال کو داغ دار کرنے میں لگا ہو، یہ کہے کہ میرا دل جو چاہتا ہے لکھتا ہوں، میں کسی کی ذات پر حملہ نہیں کرتا، اس لیے کسی کو میرے معاملہ میں مداخلت کی گنجایش نہیں ہے۔ اب اگر لوگ ابتدا ہی میں اس کے فاسد ادب اور فحش تحریروں پر احتجاج نہیں کرتے، تو بلاشبہ وہ خدا کی زمین پر فتنہ و فساد پھیلا کر رہے گا۔ پھر یہ قلم کار اپنی تخلیقات سے دولت اور شہرت حاصل کر سکتا ہے، اور ہو سکتا ہے اس کو دیکھ کر دوسرے ادیب بھی اس کی پیروی کرنے لگیں، اور نہایت فخر سے یہ اعلان کرتے پھریں کہ ہماری جدت پسندی نے دونوں جنسوں کو دقیانوسی خیالات سے آزادی دے کر نئی دنیا مہیا کی ہے، جہاں مکمل آزادی سے زندگی گزارنا اور لطف اٹھانا ہمارا فطری حق ہے۔

پھر ایک عرصہ بعد کوئی صحافی یا ادیب اپنے کو اس دنیا سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کرے، اور یہ کہے کہ میں تنہا اس طوفان کا کس طرح مقابلہ کروں۔ یہاں کی فضا کے ہر ذرے میں حیاتِ نو کا نشہ ہے، ہاتھ میں جام و سبو ہے۔ اس ماحول میں قدامت پرستی کی پرانی دھنوں کو کون سنے گا؟ ظاہری بناؤ سنگھار کے مقابلے میں باطنی نظافت کس کو اچھی لگے گی؟ چلتی پھرتی حوروں کے سامنے، سنی سنائی حوروں کی کس کو خواہش ہوگی۔ اور پھر سب سے بڑی بات ان جدید لوگوں میں صالح ادب کو پسند کرنے والے خریدار کہاں سے ملیں گے، اس لیے کہ عام مذاق عریاں رسالے اور فحش افسانے کا بن گیا ہے۔

یقیناً اس ادیب و صحافی کی بات بڑی حد تک درست ہے۔ لیکن جب پہلے ادیب نے فحش نگاری کا آغاز کیا تھا تو لوگ یہ سوچ کر خاموش تماشائی بن گئے تھے کہ وہ دوسروں کے اعمال کے مکلف نہیں ہیں۔ اگر انھوں نے اسی وقت مداخلت کی ہوتی، تو اتنی فاسد فضا قائم نہ ہوتی۔ آج سفینۂ معاشرت پانی کے دباؤ سے بوجھل ہو چکا ہے۔ تہہ کے سوراخوں نے اس کی سلامتی کو غیر یقینی بنا دیا ہے۔

یہ چند مثالیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے ماخوذ ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ انسانی معاشرے کے چند بدکردار نفوس اپنی غلط روی سے پورے معاشرے کو گندہ کر دیتے ہیں، اگر ابتدا میں ہی پورا معاشرہ ان کا بائیکاٹ کر دے، تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ شیطانی چالوں سے توبہ نہ کریں۔ لیکن اگر ان کو تھوڑا سا عرصہ بھی آزادی کے ساتھ بدکرداری اور خواہشات نفس پورا کرنے کے لیے مل گیا، اور سفینہ معاشرت کی حالت دگرگوں ہونا شروع ہو گئی، تو اس کا سنبھلنا بہت مشکل ہے۔ اور یہ ڈوبا تو ظالم و مظلوم اور صالح و بد تفریق کے بغیر سب کا انجام ہلاکت ہے، کوئی بچ نہیں سکتا۔ کیوں کہ سب کے مصالح اور مقاصدِ سفر ایک ہیں۔ یہاں کسی کا کوئی انفرادی مقصد نہیں۔ ہر ایک کی مصلحت کسی نہ کسی طرح دوسرے سے وابستہ ہے، اور ایک کا نقصان دوسرے کا نقصان ہے۔ پورا معاشرہ ایک جسم ہے، جسم کے ہر حصہ کا اثر سارے بدن پر ناگزیر ہے، اس حقیقت کا انکار ممکن ہی نہیں۔

قرآن مجید نے کتنا صریح اعلان کر دیا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو۔ المائدہ ۵-۱۰۵) حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے کسی صحابیؓ کو تنبیہاً فرمایا: "اے لوگو تم اس آیت کریمہ کی تلاوت کر رہے ہو۔ میں نے نبی اکرم ؐ سے سنا ہے۔ لوگ جب کسی ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کو نہ روکیں تو عنقریب اللہ رب العزت کا عذاب ان سب کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔" (ابوداؤد، ترمذی)

معاشرے کے اتحاد کی مصلحت یہ ہے کہ آپس میں ایسا ربط ہو جس کی کڑیاں کسی بھی حالت میں ڈھیلی نہ ہوں، اور اس ربط میں کوئی چیز حدِ فاصل نہ بن سکے، بلکہ تمام انسان، ایک کشتی کے سوار کی مانند، ہر حالت میں ایک دوسرے کے شریک کار ہوں، ان میں باہمی امداد و تعاون کا جذبہ ہو جو معاشرے کی طرف سے اس کی ساری اکائیوں پر لازم ہے۔ یہ باہمی اتحاد و یگانگت امر بالمعروف، نہی عن المنکر، ایمان باللہ، تقویٰ اور صالح اغراض و مقاصد پر منحصر ہے۔ اس کے برخلاف معاصی اور حدود اللہ سے سرکشی کی بنیادوں پر کسی صالح اور باہم مربوط معاشرہ کا قیام ناممکن بلکہ ناقابلِ تصور ہے۔